# واہمہ کا شوشہ اور دولت کا نشہ

از: مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند
جولائی 1956ء

# واہمہ کا شوشہ اور دولت کا نشہ

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

یہ سچ ہے کہ فطرت کے بعض ناگزیر مطالبے ایسے بھی ہیں جن کے تقاضوں سے گونگے بہرے بن کر ان تقاضوں کو کوئی دبانا بھی چاہے تو عام حالات میں نہ وہ دب سکتے ہیں اور نہ دبائے جا سکتے ہیں، اور خواہ مخواہ دھینگا مشتی، زور و زبردستی سے ان ناگزیر تقاضوں کے گلوں کے گھونٹنے ہی پر کوئی اصرار بے جا شروع کر دے، تو تجربہ ہی اسے بتائے گا کہ گھونٹنے والا خود اپنے ہی گلے کو گھونٹ بیٹھا، آخر بھوک، پیاس اور اسی نوعیت کے دوسرے جبلی مطالبات جن کے ساتھ قدرت نے ہر شخص کی شخصی بقاء کو وابستہ کر رکھا ہے، ان کے تقاضوں سے قطع نظر کر کے جو جینا چاہے گا بجز خاص استثنائی حالات کے کیا جینے میں وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

روح اور جان، ان جسمانی ہیکلوں کے ساتھ اپنے رشتہ کو آخر کب تک قائم رکھ سکتی ہے، جن میں جب بھوک کا تقاضا پیدا ہو، تو کھانا نہ پہونچایا جائے اور پیاس کی مانگ جب زور باندھے تو پانی سے ان کو محروم رکھا جائے۔

بہر حال کسی نہ کسی شکل میں فطری مطالبوں کے ان تقاضوں کی تکمیل ہی کرنی پڑتی ہے، خواص نہ سہی مگر عوام کی اکثریت اس معاملہ میں مجبور و بے بس ہے۔

لیکن ان ہی کے ساتھ ہمارے اندر ہی کے بعض ایسے مطالبات اور مانگیں بھی ہیں، جن کے تقاضوں کو اگر چاہا جائے تو دبا دیا جا سکتا ہے، اور وہ دب جاتے ہیں، وہ جاگ بھی اٹھیں تو ان کو سُلا دینے کے لئے معمولی تھپکیاں کافی ہو جاتی ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے جنسی مطالبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مطالبہ کا تعلق بھی اگرچہ فطرت ہی سے ہے، لیکن اس مطالبہ کے تقاضوں سے قطع نظر کر کے بھی جینے والے چاہیں تو بآسانی جی سکتے ہیں اور کتنے ہیں جو جی رہے ہیں۔ کیوں کہ شخصی نہیں بلکہ نوعی نظام کو برقرار رکھنے یعنی آئندہ توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہے، اس غرض سے اس میلان کی امانت ہماری فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔

شیخ نے ارقام فرمایا ہے کہ جنسی مطالبہ کی اصل حقیقت تو یہی اور صرف یہی ہے، لیکن:-

## معاذ اللہ

"قوتِ[1] واہمہ" اپنا کوئی شوشہ بھڑ کے اس چھتے میں جس وقت چھوڑ دیتی ہے اور عقل و خرد کی انگلیوں سے "جنسی مطالبہ" کی باگ خدانخواستہ نکل جائے تو پھر یوں سمجھیے کہ بارود کے میگزین میں گویا چنگاری گھس پڑی، غریب جس پر "واہمہ" کا یہ بھوت سوار ہو جاتا ہے، اُس کی حالت قابلِ رحم بن جاتی ہے۔

[1] جو چیز جیسی ہے، ویسی نظر نہ آئے، مچھر معلوم ہو کہ ہاتھی بن کر سونڈ ہلاتا ہوا چلا آ رہا ہے، بلکہ بسا اوقات نادیدہ دیدہ کا قالب اختیار کر لیتا ہے، یہ سارے کرشمے قوتِ واہمہ کے ہیں، رسّی پر سانپ ہونے کا دھوکہ، یا ویرانوں میں بھوت پریت کے بکھیڑوں کا زیادہ تر تعلق واہمہ کی اسی قوت سے ہے، سڑکوں پر جو راہ چلنے کے لئے کافی ہوتی ہے، مگر کسی اونچی دیوار پر چلتے آدمی گھبراتا ہے، خواہ دیوار کی وسعت راستہ کی وسعت کے برابر بلکہ زائد ہی کیوں نہ ہو، عموماً چڑھنے والوں کی ٹانگیں تھرانے لگتی ہیں اور واہمہ کے تسلط ہو جانے ہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات لوگ دیوار سے گر پڑتے ہیں ۱۲

بد قسمتی سے "عصمت بی بی" کی عام مشہور ضمانت یعنی "بے چارگی" کی چادر بھی کسی وجہ سے داہمہ کی اشتعالی تحریک کے بعد اُتر جائے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ دولت و ثروت کے اقتدار کا نشہ بھی اسی حال میں چڑھا ہوا ہو، تو ان ہنگامہ خیزیوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے، جو داہمہ کے اس "آسیب زدہ" آدمی کے اندر اودھم مچاتے ہیں۔

الغرض "داہمہ" کے چھوڑے ہوئے شوشہ کے ساتھ جب دولت کا نشہ بھی کسی شخصیت میں سمٹ کر جس وقت جمع ہو جاتا ہے تو "شخصی بقاء" کے لحاظ سے فطرت کے جس مطالبہ کی گویا کوئی حیثیت نہیں ہوتی وہی سب کچھ بن کر مسلط ہو جاتا ہے، پہلے بھی یہی دیکھا گیا اور آج بھی یہی دیکھا جا رہا ہے، خواہ نام بدل گئے ہوں، لیکن کام آج بھی وہی ہو رہا ہے جو کل ہو رہا تھا۔

اللہ اللہ دکن کی پہلی سلطنت بہمنیہ کا مشہور فاتح وفرماں روا۔ "فیروز بہمنی"

ایک رنگ تو یہ تھا کہ بقول فرشتہ:۔

"ہیچ فریضہ از و فوت نہ شد"

اور فرائض تو خیر فرائض ہی تھے، باوجود بادشاہی کے اسی کی روایت یہ ہے کہ:۔

"اکثر روز ہائے متبرک را بصوم و صلوٰۃ گذرانید"

صلاۃ (نماز) پر تو تعجب نہیں ہوتا لیکن صوم (روزہ) کے ساتھ متبرک دنوں کو گذارنا، یقیناً اُس کی دینی زندگی کی غیر معمولی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے، صرف یہی نہیں، بلکہ دکن کے مشہور مورخ عبدالقادر بیدری کے حوالے سے فرشتہ نے یہ شہادت بھی نقل کی ہے کہ:۔

"ہر روز ربع جزء کلام اللہ می نوشت"

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ تلاوت کے ساتھ ساتھ روزانہ پاؤ پارہ قرآن مجید کا قلم کی زبان سے دہرانا یہ بھی اُس کے یومیہ اوراد و وظائف کا ایک لازمی جزء تھا

اپنی اس دینی زندگی کے سوا جہادی اولوالعزمیوں میں اس کا جو حال تھا اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ چوبیس ۲۴ مہموں میں خود شریک رہا۔ ارباب تاریخ نے اس کی فاتحانہ کامرانیوں کے جو قصے مزے لے لیکر لکھے ہیں، پڑھنے کے قابل ہیں[1]۔

بہمنیوں کا یہ حکمران اپنے وقت کا فاضل جلیل بھی شمار ہوتا تھا، خود بہ یک واسطہ مطول و مختصر المعانی کے مصنف علامہ تفتازانی کا شاگرد تھا، ہفتہ میں چند دن التزاماً تفسیر و ادب، ریاضی، کلام وغیرہ جیسے علوم کی، چوٹی کی کتابوں کا درس بھی دیتا تھا۔

دربار اس کا علماء و فضلاء کا ماوئی و مرجع تھا۔ لیکن عزم و ارادہ کی ان بلندیوں کے باوجود دولت کے نشہ کے ساتھ جب اس کے جنسی مطالبہ میں "داہمہ" کا وہی "شوشہ" شریک ہو گیا، تو دیکھا جا رہا تھا کہ اعتراف شکست کے ساتھ غریب فیروز چت پڑا ہوا اپنے "زندہ ضمیر"

---

[1] ایک مشہور جنگ جو وجیانگر کے راجہ سے دریائے کرشنا کے ساحل پر لڑی گئی تھی، دریا کے ایک طرف راجہ کی فوج راج کنور (ولیعہد) کی ماتحتی میں پھیلی ہوئی تھی اور دوسرے ساحل پر فیروز اپنی فوج کے ساتھ ٹھیرا ہوا تھا غنیم کافی ساز و سامان کے ساتھ سامنے آیا ہوا تھا، فیروز کچھ پریشان تھا، حکومت کے ایک قاضی جن کا نام قاضی سراج تھا، بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے اور اجازت چاہی کہ جو تدبیر قاضی صاحب کی سمجھ میں آئی ہے اس پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے، قاضی نے باور کرایا کہ میں غنیم کی فوج میں چند رفقاء کے ساتھ داخل ہو کر راجکنور کو جو سپہ سالار ہے ختم کر دوں گا قدرتاً اس کے بعد ہنگامہ برپا ہو گا یہ دیکھ کر فلاں مقام سے آپ دریا کو عبور کر کے اپنی فوج کے ساتھ اس پار آ جائیے گا اور یوں ہم لوگوں کی جانیں بھی محفوظ ہو جائیں گی۔ قاضی کو اجازت مل گئی، یہ قاضی گانے بجانے رقص و سرود میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے، بھیک مانگنے، فقیروں کا بھیس اختیار کر کے چند رفیقوں کے ساتھ غنیم کی فوج میں گھس مل گئے گا بجا کر لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کی شدہ شدہ ان فقیروں کے کمالات فنائی کی خبریں راج کنور تک بھی پہونچیں، حاضری کا حکم ولی عہد نے دے دیا، دیر تک اپنے کمالات کی نمائش قاضی صاحب کرتے رہے، آخر میں چھرے اور کٹار کے ساتھ رقص کا تماشا دکھاتے ہوئے اچانک راج کنور پر قاضی صاحب نے حملہ کر کے قتل کر دیا، فوج میں گڑبڑ مچ گئی، فیروز منتظر ہی تھا، دریا جہاں سے پایاب تھا اسی جگہ سے اپنی فوج کو لیکر دوسرے ساحل پر پہونچ گیا، غنیم کے لوگ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے، بہت سے قتل ہوئے، قاضی اپنے رفقاء... کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں مجرا گذار ہوئے، انعام و اکرام سے مالامال کر دئے گئے۔ ۲۰

کے گھاؤ پر جھوٹے معاذیر کے مرہم کی پٹیاں چڑھا رہا ہے' اقتدار کا نشہ اشارہ کر رہا تھا کہ تم جو چاہو' پورا ہوگا' واہمہ کے شوشہ نے اقتدار کے اس نشہ کا رخ جنسی مطالبہ کی جھوٹی پیاس کی طرف پھیر دیا' چار بیویوں کا دینی قانون اونٹ کے منہ میں زیرے کی حیثیت اختیار کر چکا تھا' سرزمین دکن کا نسوانی سرمایہ اس کی ہوس رانیوں کے لئے ناکافی ثابت ہوا' خزانہ کا منہ کھولدیا گیا' زر و نقرہ کی تھیلیاں لے لیکر اس کے نمائندے نکل پڑے۔ پھر بقول فرشتہ ان فیروزی نمائندوں نے' فیروز کی حرم سراؤں کو :۔

" از زنان ترک و فرنگ وختا و افغان و راجپوت و
بنگالی و گجراتی و تلنگی و کنھری و مرہٹی وغیر ذالک "

سے بھر دیا۔ فیروز کا سارا علم و فضل اس کے بعد جہل سے بھی بدتر ثابت ہوا' حالانکہ نسلاً و ذاتاً کٹر سُنی تھا لیکن اس خاص مسئلہ میں اس نے شیعہ مذہب کے مشہور فتوی یعنی متعہ کو مفتی بہ مسئلہ ٹھیرالیا' اور بقول مورخین :۔

" در یک روز ہشت صد زن را صیغہ متعہ خواند" (فرشتہ ۳۰)

واللہ اعلم' آٹھ سو عورتوں سے ایک مجلس میں" متعہ" کا صیغہ جو پڑھا گیا' بات اسی حد تک ختم ہو گئی تھی' یا" صیغہ خوانی" کی یہ مجلس اس کے بعد بھی منعقد ہوتی رہی' مگر ایک ہی مجلس میں آٹھ سو عورتوں کے ساتھ متعہ کا تعلق کر لینا کیا معمولی بات تھی۔

لکھا ہے کہ فیروز نے ان متاعی عورتوں کی بود و باش کے لئے ایک مستقل شہر بھی آباد کیا تھا' بھیورا نامی دریا کے کنارے جو شاید اب بھیمہ کے نام سے مشہور ہے" فیروز آباد" کے نام سے ایک مستقل آبادی بحکم سلطان بسائی گئی' جس میں :۔

" بازار و دوکان' در غائت پاکیزگی و مضبوطی و کوچہا
در غائت فراخی و راستی ساختہ "

ایک قلعہ بھی اسی آبادی میں تیار کیا گیا تھا جس میں دریا سے کاٹ کاٹ کر نہریں پہونچائی گئی تھیں' اور دریا کے کنارے کنارے دور تک :۔

" کوشکہائے عالی مہیا گردانید "

ان شاہی کوشکوں کی تعداد مختلف اصناف اور ممالک کی لائی ہوئی ان عورتوں کی تعداد کے برابر تھی' کم از کم ایک مجلس والی آٹھ سو متاعی عورتوں کے حساب سے آٹھ سو مستقل کوشکوں کی تعمیر تو یقینی تھی' بیان کیا گیا ہے کہ ان کوشکہائے عالی (بلند ایوان و قصور) :۔

" ہر یکے را بہ یکے از وجہا کے خود ارزانی داشت "

اگرچہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی' لیکن لکھا ہے کہ فیروز کی قوت یادداشت اتنی قوی تھی کہ مختلف زبانوں کے استعمال کرنیوالی ان عورتوں کی زبان بھی اس نے سیکھ لی تھی۔ فرشتہ کے الفاظ ہیں :۔

" زبان آنہا ہمہ می دانست و ہر روز بہ یکے ازیں محلہا
رفتہ با ایشاں نوعے زندگانی می نمود کہ ہر یک انعورات
محلہا دعوی آں می کردند کہ شاہ مارا دوست تر میدارد"

البتہ شاہ بیگم جو محمود شاہ بہمنی کی بیٹی تھی' اس کے سوا بیان کیا ہے' کہ تمام عورتوں میں سرزمین عرب کی خاتونوں کو خاص امتیاز بخشا گیا تھا' وجہ اس کی فرشتہ نے یہ لکھی کہ فیروز :۔

" چوں بکلام عربی میل وافر داشت "

اس لئے شاہ بیگم دکنیہ کے بعد عربی محل کا کوشک تھا' اور حکم تھا کہ" عربی محل" میں کوئی ایسا آدمی داخل نہ ہونے پائے جو عربی زبان سے واقف نہو' غرض یہ تھی کہ :۔

" مبادا زبان ایشاں ضائع گردد و بکلام دیگر مخلوط شود"

دیکھا آپ نے واہمہ کے چھوڑے ہوئے" شوشہ" کے ساتھ جب دولت کا" نشہ" بھی شریک ہو جاتا ہے' تو فیروز بہمنی جیسے جیتے جاگتے' بیدار مغز' بیدار دل انسان تک ایسی ناگردنیوں' بلکہ ابلہیوں کے شکار بنکر رہ جاتے ہیں۔ بچے بھی اس کے ان قصوں کو سنکر اپنی ہنسی ضبط نہیں کر سکتے مگر فیروز بے چارے نے" فیروز آباد" اپنے محل کی آٹھ سو یا

آٹھ سو سے زائد حرموں کے لئے آباد کیا تھا۔ لیکن ان عورتوں کے سوا جہاں تک میں جانتا ہوں دوسروں کو بھی "فیروز آباد" میں آباد ہونے کی اجازت تھی، اتنی بات تو قطعی ہے کہ فیروز آباد میں مرد بھی آباد تھے۔ لیکن دکن سے ذرا پیچھے ہٹ جائیے، سی پی کے مرحوم صوبہ میں اجائیے جو آجکل خدا جانے کتنے ونندھ، مدھ وغیرہ پردیشوں پر بٹ بٹا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے، کسی زمانہ میں اس کا ایک حصہ وہ علاقہ بھی تھا جسے مالوہ کہتے تھے، اسی مالوہ میں ایک :۔

"کوہی پایۂ تخت"

مسلمانوں کا مانڈو نامی قلعہ میں قائم تھا، مسلمانوں نے "شادی آباد" نام اِسی مانڈو کا رکھ دیا تھا، جو شادی آباد ہی نہیں اب "غم آباد" کی شکل میں بھی باقی نہیں رہا ہے، کچھ ٹوٹی پھوٹی سلاطین مالوہ کی تعمیری یادگاریں باقی رہ گئی ہیں جن کے آس پاس گڈریوں اور بعض صحرائی باشندوں کی جھونپڑیاں ہیں۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ مالوہ یا شادی آباد مانڈو کے ان ہی سلاطین میں ایک بادشاہ غیاث الدین خلجی نامی بھی گذرا ہے اپنے باپ کے بعد جس کا نام سلطان محمود تھا، غیاث الدین ہی جانشین ہوا، اس کے اندر بھی قوتِ واہمہ کے اِسی "شوشہ" کے ساتھ دولت و ثروت کا "نشہ" بھی جمع ہو گیا تھا، پھر اس راہ میں جو مذبوحی حرکتیں اس بے چارے سے سرزد ہوئیں، اُن میں ایک اظروفہ یہ بھی تھا:

اقبال نامہ جہاں گیری کے مصنف کی روایت کے الفاظ اِسی کے متعلق یہ ہیں :۔

پانزدہ ہزار زن در حرم خود فراہم آوردہ بود، و شہرے از زنان ترتیب دادہ، مشتمل بر جمیع طوائف از اقسام و اصناف، حاکم و قاضی و کوتوال و اہلِ حرفہ، وآنچہ بر جہت نظام شہر درکار است از اناث مقرر نمودہ۔ (اقبال نامہ جہانگیری)

غیاث الدین نے پندرہ ہزار عورتیں اپنی حرم سرا میں جمع کی تھیں، اور اس نے ایک مستقل شہر بھی آباد کیا تھا جس میں سارے آبادکار جنکی ضرورت کسی شہر کے نظام کو درست کرنے میں پیش آسکتی ہے مثلاً حاکم و قاضی و کوتوال اور پیشہ و حرفہ والوں کا انتخاب عورتوں ہی کے طبقہ سے کیا گیا تھا

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

گویا یہ صرف عورتوں کا مصر جامع اور ایسا شہر تھا جس میں اعلیٰ و ادنیٰ حکام اور اہلِ حرفہ اور ان کے سوا جتنے بھی آباد کار تھے، اُن میں کوئی مرد نہ تھا، صرف عورتیں ہی عورتیں تھیں بیان کیا گیا ہے کہ :۔

ہر جا خبر صاحب جمالے رسیدے تا بدست نیاوردے از پا نہ نشستے۔ (جہاں گیر نامہ)

جہاں کہیں سے غیاث الدین تک یہ خبر پہونچتی کہ وہاں کوئی خوبصورت عورت پائی جاتی ہے، جب تک اُس عورت کو حاصل نہ کر لیتا دم نہ لیتا

⁂ ⁂ ⁂

غیاث الدین پرانے زمانہ میں پیدا ہوا تھا لیکن جدید رجحانوں میں آخری رجحان یعنی بقول اکبر مرحوم ؎

میں بھی گریجویٹ ہوں تو بھی گریجویٹ
علمی مباحثے ہوں ذرا پاس آ کے لیٹ

گویا تعلیم یافتہ عورتوں کی صحبت کا حد سے زیادہ دل دادہ تھا۔ جہاں گیر نامہ ہی میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ :۔

بعضے را کہ صاحب ادراک عالی و فہم بلند یافتہ باکتساب علوم ممتاز ساختہ۔

فراہم کی ہوئی عورتوں میں جو اہل فہم و فراست ہوتیں اُن کو تعلیم دلاتا۔ (جہاں گیر نامہ)

مقصد یہی تھا کہ صبح و شام، رات دن، اور ان کے چوبیس گھنٹے ایسے ماحول میں گذریں جس میں عورت کے سوا اس کی نظر کسی دوسری چیز پر نہ پڑے۔ حد یہ تھی کہ شکار میں بھی جب جاتا، تو اپنے ساتھ ان عورتوں ہی کو رکھتا جو فن شکار میں ماہر بنائی جاتی تھیں، لکھا ہے کہ :۔

با زناں و اہل حرم خویش پیوستہ بسیر و شکار خوش وقت می بود۔

عورتوں اور اپنے حرم کی خواتین کے ساتھ ہمیشہ سیر و شکار کی لذت حاصل کرتا تھا۔

کیسی عجیب بات ہے، ہسپتالوں اور دفتروں، اور سلطنت کے چھوٹے بڑے عہدوں پر عورتوں کے تقرر کے مسئلہ کو اس زمانہ کی شاید خاص خصوصیت قرار دیجاتی ہے، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ جنس نسواں کی قدر افزائیاں ان حدود تک اس زمانہ میں بھی کہیں پہونچی ہوں، جن کا تماشا دکن اور مالوہ کے آسمانوں نے کسی زمانہ میں کیا تھا، دُور کیوں جائیے، سلطنت آصفیہ کے حکمرانوں میں نظام قلی خاں آصف جاہ مرحوم کے متعلق بھی کتابوں میں لکھا ہے، خورشید جاہی میں ہے کہ

"کسی قحط کے موقعہ پر پانسو سنتر عورات کو اکٹھا کرکے نوکر رکھا، اور بعض لڑکیاں تلنگوں کی خرید کرکے زنانی لین (زنانی فوج) تیار کرائی، وے سب بندوقوں سے شلک کرتی تھیں، لباس سقرلات کا کہ زبان انگریزی میں ڈریز (ڈریس) کہتے ہیں، انہیں پہنا کر واسطے بندوبست حریم محل خاص کے پہرے ان کے مقرر کئے، اور بعض کو خیاطی بعض کو آہنگری، بعض کو زرگری اور بعض کو نغمہ سازی نوبت نوازی سکھلائی۔" (صـ ۴۲۸)

خلاصہ یہ ہے کہ داہمہ کے شوشے نے جنسی مطالبہ کو جب کبھی ایسی شخصیتوں میں مشتعل کیا، جن پر دولت و ثروت کے پیدا کردہ اقتدار کا نشہ بھی سوار تھا، تو ہر زمانہ اور ہر ملک میں وہی کچھ دیکھا گیا ہے جسے آج یورپ و امریکہ میں دیکھا جا رہا ہے، پانچویں صدی ہجری میں دیار بکر اور میافارقین کا حاکم احمد بن مروان نامی تھا، خلافت عباسیہ کی طرف سے نصر الدولہ کے خطاب سے سرفراز تھا، ابن جوزی نے المنتظم میں، اسی نصر الدولہ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"اس علاقہ کی حکومت بائیس سال کی عمر میں اسے ملی تھی (جوانی کا زمانہ تھا وہی شوشہ کے ساتھ دولت کا نشہ اکٹھا ہوا) باندیوں اور گانے والی عورتوں کی خریداری شروع کی، پان پان سو اشرفیوں سے چودہ چودہ ہزار اشرفیوں تک میں ایک ایک چھوکری کی قیمت اس نے ادا کی۔ پانسو باندیاں کہئے یا حرم اس کے شاہی محل میں جمع ہوگئی تھیں، ان کے سوا اطراف و جوانب کے ملوک اور حکمرانوں میں مشکل ہی سے کوئی ہوگا جن کی لڑکیاں اس کے حلقہ ازدواج میں نہ آئی ہوں، اسّی سال کی عمر پائی، باون ۵۲ سال تک اس علاقہ کا حکمران رہا۔" (المنتظم صـ ۲۳۳، ج ۸)

ساء سبیلا (بُرا ہے یہ اپنی راہ کے حساب سے) کے الفاظ میں جنسی مطالبہ کی مطلق العنانیوں کے نتیجہ پر قرآن میں جو تنبیہ کی گئی ہے، شاید اس کا مطلب ان نظائر و امثال کی روشنی میں سمجھنے کا ارادہ اگر کیا جائے تو سمجھا جا سکتا ہے۔

اُف! بُرائی کی وہ راہ جس پر داہمہ کے اشارے سے اس جذبہ کی طغیانیاں گھسیٹ گھسیٹ کر نا کردنیوں کی جن چٹانوں پر پٹک پٹک کرکے مارتی ہیں، ان کا کوئی ٹھکانا ہے۔[1] زبان سے ایک ہی عورت پر قناعت کی تلقین کرنے والے دیوانہ وار ایسے شہروں اور آبادیوں کو آج جو تلاش کر رہے ہیں، جن کے ہر ہر مکان کی دیوار سے بھی عورت ہی جھانک رہی ہو، اور در کی آرائش بھی نسوانی خصوصیات کو نمایاں کرکے کی گئی ہو، یا پرانے کھنڈروں کی ٹوٹی پھوٹی، عبادت گاہوں میں بھی حال کے نگار خانے کے عکس کو دیکھ دیکھ کر پوچھنے والے حیرت سے پوچھتے ہیں کہ یہ عبادت خانے تھے یا سینمائی نگار خانے، لیکن وہ بھول جاتے ہیں، کہ

---

[1] میرے دوست اور رفیق جامعہ عثمانیہ پروفیسر وحید الرحمن مرحوم لندن سے لوٹتے ہوئے پامپئی اس شہر کی بھی سیر کی تھی جسے کوہ اٹنا کی آتش فشانیوں نے خاک کا ڈھیر بنا کر رکھ دیا ہے، صدیوں کے بعد راکھ کے نیچے سے یہ مونکفہ آبادی نگاہوں کے سامنے آگئی ہے، پروفیسر مرحوم بیان کرتے تھے کہ راستہ بتانے کے لئے دیواروں پر ہاتھ وغیرہ بنا دیئے جاتے ہیں، لیکن پومپائی میں بجائے ہاتھ کے مردوں کے عضو مستور کی، تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ۱۲

تاریخ ہمیشہ واقعات کو دوہراتی رہی ہے، برائیوں کی یہ راہ ہی ایسی ہے جس کا نہ کوئی اور ہے نہ چھور، نہ ابتداء ہے، نہ انتہاء، اس راہ پر چڑھ جانے والوں کو جہاں تک موقعہ ملا ہے، چڑھتے ہی چلے گئے ہیں، بڑھتے ہی چلے گئے ہیں، امکان کو محسوس کرتے ہوئے نہ پہلے اٹکنے والے اٹکے ہیں اور نہ رکنے والے آج کسی نقطے پر پہونچکر رکے ہیں، نہ رکنا چاہتے ہیں، اللہ اللہ! جس عمل کے قریب ہونے سے بھی قرآن میں روکا گیا ہو، اجمالاً ہی نہیں، بلکہ تفصیلاً اسی ممانعت کی عملی صورتوں کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا گیا ہو کہ بینائی وشنوائی کے احساسات کی بھی اس راہ میں چاہیئے، کہ پوری نگرانی کی جائے، لین دین میں آوٹ اور حجاب کے قانون کی پناہ ڈھونڈھی جائے۔ بات چیت میں حکم دیا گیا ہے، کہ بجائے نرم اور دلآویز لہجہ کے خطاب میں عورتوں کو چاہیئے کہ کرخت اور درشت پیرایہ میں مردوں کو مخاطب بنائیں۔ حدیثوں میں قوت شامہ (سونگھنے کے حاسے) اور لمس (چھونے) کے حاسے کو بھی بینائی اور شنوائی کے دائرۂ حکم میں شریک کر دیا گیا ہے، لباس تک کے تراش و خراش میں حکم دیا گیا ہے، کہ اس قانون کی پابندیوں سے غفلت نہ برتی جائے۔ یہ سب کیا ہے، لا تقربوا الزناء (زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو) اسی اجمال کی تو یہ تفصیلیں ہیں[۱]۔

---

[۱] غضِ بصر کا حکم مردوں اور عورتوں کو جو قرآن میں دیا گیا ہے یا پازیب و خلخال وغیرہ کو بجا بجا کر چلنے کی ممانعت عورتوں کو جو کی گئی ہو تو اس کا مطلب یہی تو ہے کہ بینائی اور شنوائی کی قوتوں کی بھی اس راہ میں نگرانی کی جائے، اجنبی مردوں سے کچھ چیز طلب کرتے ہوئے چاہیئے کہ حجاب (اوٹ) سے بات کیجائے، اور بات میں بھی نرمی نہ اختیار کیجائے، ورنہ جن کے دل میں بیماری ہو یعنی وہی واہمہ کے جنسی مطالبہ کو مشتعل کر دیا ہو ان کے دل میں لالچ پیدا ہو جائے گا۔ عطر لگا کر باہر نکلنے یا جوان عورتوں سے مصافحہ کرنے سے حدیثوں میں جو منع کیا گیا ہے آل ان حکموں کا یہی تو ہے کہ قوت شامہ (سونگھنے کا حاسہ) لامسہ (چھونے کا حاسہ) ان سب کو بھی اس راہ میں مطلق العنان ہونے نہ دیا جائے، عورتیں باہر نکلتے ہوئے جلابیب کو اپنے اوپر لٹکایا کریں، گریبانوں پر دوپٹے کے آنچل کو ڈال دیا جائے وغیرہ ان قرآنی احکام